مستورات سے خطاب

۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مستورات سے خطاب

(فرمودہ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۳۰ء بر موقع جلسہ سالانہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد آیات وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔[1]
تلاوت کر کے فرمایا:-

دنیا میں خلیفہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں انسان بناتا ہے دوسرے جنہیں خدا الہام کے ذریعہ بناتا ہے۔ الہام کی بناء پر ہونے والے خلیفہ کو نبی کہتے ہیں جو ملہم خلیفے ہوتے ہیں ان کے آنے پر دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود فسادی ہوتے ہیں بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبائع ناموافق ہوتی ہیں۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیدائش کے واقعہ کے متعلق فرمایا کہ اس وقت فرشتوں نے بھی یہی کہا کہ آپ دنیا میں ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد کرے۔ یعنی فرشتوں نے سوال کیا کہ آپ کی غرض تو اصلاح معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ فساد کا موجب ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ میں خلیفہ اس لئے بناتا ہوں کہ تا اچھے اور خراب علیحدہ کئے جائیں۔ قرآن میں پہلے اسی سوال کو لیا گیا ہے کیونکہ ہر ایک نبی کی بعثت پر فساد برپا ہوئے اور نبیوں کو ان کا موجب بنایا گیا۔ دیگر نبیوں کے علاوہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت بھی یہی عام مقولہ تھا کہ اس نے بھائی بھائی کو الگ کر دیا۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں بھی لوگ یہی کہتے ہیں کہ آپ بانی فساد ہیں۔ بہتر (۷۲) فرقے تو پہلے ہی تھے اب آپ نے

احمدیوں کا تہتر واں (۷۳) فرقہ نکال دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ تفرقے کم کئے جاتے اُلٹا ایک زائد کر دیا۔ شائد تمہارے خیال میں بھی جو غیر احمدی ہیں ان کا یہی خیال ہو اس لئے پہلے میں اسی مسئلہ کو صاف کرتا ہوں۔

پہلا سوال خون و فساد کا ہے اس کے متعلق یاد رکھو کہ قرآن کریم نے نبی کی آمد سے پہلے کی حقیقت یوں واضح کی ہے کہ **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ**۔ [2] یعنی اس وقت خشکی و تری میں فساد تھے اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے آنے سے پہلے کیا دنیا ایک ہی فرقہ پر تھی یا یہ فساد موجود پہلے ہی تھے؟ شیعہ حنفی پہلے ہی موجود تھے یا نہیں؟ گیارھویں' آمین' رفع یدین کے قضیے پہلے ہی تھے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اتنا فساد تھا جس کی حد نہیں اور جس کے سننے سے بھی شرم آتی ہے۔ افغانستان میں سینکڑوں آدمیوں کی اُنگلیاں مروڑ دی گئیں صرف اس لئے کہ التحیات میں تشہّد کے وقت وہ شہادت کی اُنگلی کو اُٹھاتے تھے اور حنفی اپنے عقیدہ کے مطابق ایسی نماز کو ضائع سمجھتے تھے۔

ایک دوست نے سنایا کہ ایک مرتبہ ایک اہلحدیث حنفیوں کی مسجد میں ان کے ساتھ با جماعت نماز پڑھ رہا تھا۔ التحیات میں اس نے اُنگلی اُٹھائی۔ اس کا اُنگلی اُٹھانا تھا کہ تمام مقتدی نمازیں توڑ کر اس پر ٹوٹ پڑے اور حرامی حرامی کہنا شروع کر دیا۔

چنانچہ یہ فساد حضرت مسیح موعود کے آنے سے پہلے ہی تھے۔ مسیح موعود نے تو آکر اصلاح کی۔ چوٹ لگانے والا فسادی ہوتا ہے یا ڈاکٹر جو نشتر لے کر علاج پر آمادہ ہوتا ہے؟ ایک شخص کا بخار سے منہ کڑوا ہو ڈاکٹر کونین دے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ظالم نے منہ کڑوا کر دیا۔ اگر ڈاکٹر بلغم کو نہ نکالتا تو جسم کی خرابی بڑھ جاتی۔ بلغم نکال دینے پر اعتراض کیسا؟ ہڈی ٹوٹی رہتی اگر زخم کو نشتر سے صاف نہ کیا جاتا اس پر جلن آمیز دوائی نہ چھڑکی جاتی تو مریض کی حالت کس طرح بہتر ہو سکتی۔ اس کی تو جان خطرہ میں پڑ جاتی۔ اس صورت میں کس طرح کوئی ڈاکٹر کو ملزم بنا سکتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور اسی تفرقے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ۔ اپنا اچھا دودھ سنبھالنے کے لئے دہی کے ساتھ ملا کر رکھتے ہیں یا علیحدہ؟ ظاہر ہے کہ دہی کے ساتھ اچھا دودھ ایک منٹ بھی اچھا نہیں رہ سکتا۔ پس

فرستادہ جماعت کا درماندہ جماعت سے علیحدہ کیا جانا ضروری تھا۔ جس طرح بیمار سے پرہیز نہ ہو تو تندرست بھی ساتھ گرفتار ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ روحانی بیماروں سے فرستادہ جماعت کو علیحدہ رکھے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جنازہ' شادی' نماز وغیرہ علیحدہ ہو کیونکہ اکثر عورتیں ہی اس میں اختلاف کرتی ہیں۔ اس لئے میں عورتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جس طرح مریض کے ساتھ تندرست کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے یاد رکھو یہی حالت تمہاری غیر احمدیوں سے تعلق رکھنے میں ہوگی۔ اکثر عورتیں کہتی ہیں کہ بہن یا بھائی کا رشتہ ہوا چھوڑا کس طرح جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر زلزلہ آ جائے یا آگ لگ جائے تو ایک بہن بھائی کی پروانہ کرکے بلکہ اس کو پیچھے دھکیل کر خود اس گرتی ہوئی چھت سے جلدی نکل بھاگنے کی کوشش کرے گی تو پھر دین کے معاملہ میں کیوں یہ خیال کیا جاتا ہے؟ دراصل یہ آرام کے وقت کے جذبات ہیں مصیبت کے وقت کے نہیں۔ اگر خدا رات کو تم میں سے کسی کے پاس فرشتہ ملک الموت بھیجے جو کہے کہ حکم تو تیرے بھائی یا دوسرے عزیز کی جان نکالنے کا ہے۔ مگر خیر مَیں اس کے بدلے تیری جان لیتا ہوں تو کوئی عورت بھی اس کو قبول نہ کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ [۳] یعنی بچاؤ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانوں کو آگ سے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیرو اگر دوسرے غیر احمدی سے بیاہی گئی تو خاوند کی وجہ سے یقیناً وہ احمدیت سے دور ہو جائے گی یا کُڑھ کُڑھ کر مرجائے گی۔ اپنے رشتہ داروں سے الگ کی جائے گی بوجہ تعصّبِ مذہبی کے۔ تو یہ ایک آگ ہے۔ کیا وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹی کو آگ میں ڈالتی؟ مگر اس طرح ایک تھوڑے سے تعلقات کے لئے اسے دائمی آگ میں ڈال دیا۔ پس اس سے بچو۔

مسیح موعود کے آنے پر جو تفرقے اٹھے یہ پہلے ہی تھے نئے نہیں۔ لیکن اگر تم قربانیاں کرو تو دوسروں کو تحریک ہو کہ اس طرح یہ تفرقے مٹ سکتے ہیں۔ مثلاً احمدی ہو کر غیروں سے رشتے نہ کرو۔ اپنا نمونہ اچھا دکھاؤ تو ان کو بھی ترغیب ہو۔ اور اگر احمدی ہو کر بھی تم ان سے رشتے برابر قائم رکھتی ہو تو وہ کہتے ہیں کہ رشتے تو ہم کو یوں بھی مل جاتے ہیں پھر احمدی ہو کر کیا کرنا۔ یاد رکھو کہ یہ قومی گناہ ہے اگر تم ان سے بکلّی ایسے تعلقات قطع کرلو اور خدا کے لئے اس قربانی کو اختیار کرو تو ادھر تو خدا خود ان رشتہ داروں کی بجائے تم کو بہتر رشتے دے گا اور پھر تمہارے اس استقلال کے صلے میں تمہارے وہ رشتہ دار بھی واپس ملا دے گا مگر شرط یہی ہے کہ

تم استقلال کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ مت سمجھو کہ خدا تمہیں ہمیشہ کے لئے جدا ہی رکھے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ تمہیں ملائے گا اور دائمی طور پر ملائے گا۔ وہ تمہارا استقلال دیکھتا ہے۔ پس اپنے تعلقات خدا کے لئے قطع کرو اور راضی برضاء ہو۔ تا تمہارے رشتہ دار بھی تم سے بالآخر دائمی مل جائیں۔

میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ کبڈی ہو رہی ہے احمدی اور غیر احمدی دو پارٹیاں ہیں۔ احمدیوں کی پارٹی فریق مخالف کو پکڑ پکڑ کر لا رہی ہے یہاں تک کہ سب ختم ہو گئے۔ فریقِ مخالف میں سے صرف ایک بڑا سا آدمی رہ گیا جو دیوار کے ساتھ لگ کر رینگتا ہوا آخر احمدیوں میں مل کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب سارے ادھر آ گئے تو میں تنہا اُدھر کیا کروں۔ اس میں تمہارے لئے سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ وہ تمہارے رشتہ داروں کو تم سے ملائے گا۔ لیکن اگر تم خود اس کے فیصلوں کو توڑ کر یہ قرابتیں قائم کرو تو یاد رکھو کہ ہمیشہ کے لئے وہ تم سے دور کئے جائیں گے کیونکہ تمہارا یہ فعل خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو گا۔ پس اس کی ناراضگی ہمیشہ کے لئے تمہیں جُدا کر دے گی۔

حضرت عمرؓ کے متعلق آیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے سخت مخالف تھے اتنے سخت کہ ایک مرتبہ اپنی ایک لونڈی کو محض اسلام لانے کی وجہ سے اتنا مارا کہ اس کی آنکھیں ضائع ہو گئیں اور ایک دفعہ جب آنحضرت ﷺ کو مارنے کا کفار نے منصوبہ کیا تو آپ نے اس بیڑے کو اٹھانے کا تہیہ کیا۔ کسی نے آپ کا ارادہ معلوم کر کے کہا کہ پہلے گھر کی خبر تو لو تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تو محمدؐ کے حلقہ بگوش ہیں۔ اسی وقت بہن کے گھر گئے۔ بہن بہنوئی ایک صحابیؓ سے قرآن شریف سن رہے تھے۔ قرآن چھپا دیا گیا۔ عمر نے ان سے دریافت کرنے کے بعد اپنے بہنوئی پر تلوار کا حملہ کیا۔ بہن آڑے آ گئی اور زخمی ہو گئی۔ عورت کو مارنا چونکہ بُزدلی کی علامت سمجھی جاتی ہے عمرؓ شرمندہ ہو گئے۔ بہن کا خون بہتا دیکھ کر اس ندامت کو مٹانے کے لئے پوچھا بتاؤ تو کیا پڑھ رہے تھے۔ بہنوئی نے چاہا کہ قرآن شریف دکھاویں مگر بہن نے جوش سے کہا تُو ناپاک ہے وہ مقدس کتاب کیونکر تجھے دکھائی جا سکتی ہے۔ عمرؓ چونکہ اپنے فعل اور بہن کی قوتِ ایمانی سے بے حد متأثر ہو چکے تھے نرم ہو گئے اور جھٹ ایمان لے آئے۔ [1] یہ اس لئے کہ عورت نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے اس معزز بھائی کو قطعی چھوڑ دیں گے مگر اس مقدس دین کو نہ چھوڑیں گے۔ پس ان کے اس استقلال پر اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کے دل کو نرم کر دیا۔ وہ

مسلمان ہو کر اسلام کے جاں نثار بن گئے۔ اگر عورت یہ ہمت نہ دکھاتی تو عمرؓ پر اتنا اثر نہ ہوتا اور نہ بہن بھائی ابدی طور پر یوں ملتے کہ ذرا بھی جُدائی نہ ہوئی۔ یاد رکھو کہ یہ محض قربانی کا ثمرہ تھا۔

پس اگر تم اپنے رشتہ داروں کو اپنے ساتھ ملانا چاہتی ہو تو قربانی کرو۔ اللہ تعالیٰ کا نشتر فائدہ کے لئے اور اس کی سزا رحم کے لئے ہوتی ہے۔ وہ کبھی ظلم سے کسی کو سزا نہیں دیتا۔ اس کا رحم بے پایاں ہے۔ خود فرماتا ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ ؎۵ کہ میری رحمت وسیع ہے۔ تو وسیع رحمت والے سے کس طرح ظلم کی توقع ہو سکتی ہے اس کے کسی فعل سے ظلم ظاہر نہیں ہوتا۔ دوزخ محض سزا ہی اور تادیب کے لئے ایک ہسپتال ہے جہاں کوئی چند دن رہا۔ کوئی چند ہفتے' کوئی چند مہینے' کوئی چند سال مگر جس طرح کوئی ہمیشہ دنیوی ہسپتالوں میں نہیں رہتا اسی طرح وہ ہسپتال (دوزخ) بھی دائمی نہیں۔ جنت گھر ہے اور دوزخ ہسپتال۔ اللہ تعالیٰ کبھی برداشت نہیں کرتا کہ اپنے بندوں کو دائمی دکھ میں ڈال دے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آخر ایک دن دوزخ کے دروازے جنت کی ہوائیں ہلائیں گی اور اسے ٹھنڈا کر دیں گی۔ یہ بھی وسیع رحمت کی دلیل ہے۔

پس تمہارے اقرباء کی جُدائیاں تادیب و ترقی کے لئے ہیں نہ ظلم و جَور کی وجہ سے۔ جیسے ماں کے پیٹ سے بچے کا جُدا ہونا اس کی ترقیات کے لئے مفید اور ضروری ہے۔ تو کیا کوئی ماں اپنے بچے کا پیٹ سے جُدا ہونا ناپسند کرتی ہے؟ کیا وہ کبھی کہتی ہے کہ ہائے کیوں میرا بچہ میرے پیٹ سے الگ کیا گیا؟ ہرگز نہیں کہتی۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ اس علیحدگی میں اس کے بڑھنے اور ترقی کرنے کے راستے نکلیں گے۔ وہ پیٹ میں کوئی ترقی نہیں کر سکتا تھا۔

پس خدا تعالیٰ بھی تمہارے رشتہ داروں کو اسی لئے جُدا کرتا ہے کہ تا وہ ہمیشہ کے لئے تم سے آملیں۔

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ ؎۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا ہے کہ اس تفرقے میں (جو تمہارے نزدیک ہے) مدرسہ ہے اور اس طرح الگ کر کے علوم سے بہرہ ور کرنا مقصود ہے۔

دیکھو! اگر بہن بھائی ماں باپ سب اکٹھے ہوں تو تعلیم کیونکر پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن سکول علیحدہ ہوتا ہے تو تعلیم کا انتظام بھی مکمل ہو سکتا ہے۔ ایک لڑکا جو خاص طور پر سکول بھیجا جائے خیال کرتا ہے کہ میں تمام رشتہ داروں سے محض تعلیمی غرض سے علیحدہ کیا گیا ہوں۔ اس

طرح پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کو اس فرض کا احساس رہتا ہے اور غرض بھی پوری ہوتی ہے۔ اکٹھا رہ کر یہ احساس ناممکن ہے پس **عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ** کا یہ مطلب ہوا کہ ہم نے تعلیم کے تمام پہلوؤں یا شعبوں کو مکمل کرنے کے لئے خلیفہ بنایا کہ تا وہ اس طرح لوگوں کو علیحدہ کر کے تعلیم دے اور خدا تعالیٰ کی صفتوں کا علم مخلوق کو دے۔ پس یہ علیحدگی زحمت نہیں رحمت ہے۔ روحانی بیماروں سے علیحدگی کے بغیر خدا کو پا لینا تمہارے لئے ناممکن تھا۔ اب علیحدہ ہو کر تم نے خدا کو پالیا۔ تو یہ تم کو نہایت بیش قیمت نعمت مل گئی جس کا جتنا شکر کرو تھوڑا ہے نہ کہ اُلٹا ان اقرباء کی جدائیوں پر گھبراؤ یا لغزش دکھاؤ۔ میں مکرر نصیحت کرتا ہوں کہ ان رشتہ داروں سے جن کا روحانی طور پر تم سے قطع تعلق ہو چکا' رشتہ داریاں قائم نہ کرو۔ ان کے جنازوں وغیرہ میں شرکت نہ کرو۔ اپنے آپ کو ان تعلقات کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے عذاب کے مَوْرد نہ بناؤ۔ اب اس کے بعد میں خدا تعالیٰ کے علم کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

سب سے ضروری چیز خدا کا علم ہے

بہت عورتیں سمجھتی ہوں گی کہ ہمیں خدا کا علم ہے۔ مگر نہیں وہ خدا کو نہیں جانتیں۔ اگر جانتیں تو اس پر پورا پورا ایمان ہوتا۔ نہ جاننے کے سبب سے ہی عورتیں جھٹ ہر کام اور ہر انجام پر تقدیر کو لے بیٹھتی ہیں۔ یہ ثبوت ہے خدا کا علم نہ ہونے کا اور اس کی صفات سے بے خبری کا۔

یاد رکھو یہ تمہارا تقدیر کا مسئلہ غلط ہے۔ اپنی کوتاہیوں کے صلہ میں جو بدانجامیاں ظاہر ہوتی ہیں ان کا نام تم تقدیر رکھ کر خدا تعالیٰ پر الزام رکھتی ہو۔ یہ نہیں خیال کرتیں کہ خدا جو اتنا بڑا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے اس کو کیا ضرورت ہے کہ تم میں سے کسی کو دکھ دے کسی کو سکھ۔ کسی کو رُلائے کسی کو ہنسائے اس کا اس میں کیا فائدہ ہے۔ کیا کوئی ماں پسند کرتی ہے کہ ایک بیٹا جئے ایک مر جائے۔ ایک اندھا ہو ایک سوجاکھا۔ ایک بیمار ہو ایک تندرست؟ یہ جاہلانہ خیال ہے۔ ہماری قوم کی بہت سی تباہی یہی تقدیر کا مسئلہ ہے۔ اسی مسئلہ کے طفیل ہماری کوششیں ضائع ہو گئیں۔ ہماری محنتیں برباد ہو گئیں اور ہماری تمام سرگرمیاں بے ثمر رہ گئیں۔

تم خوب یاد رکھو کہ یہ تقدیری مسئلہ بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قانون بنائے ہیں جو ان پر سیدھے چلے انہوں نے کامیابی پائی جو اُلٹے چلے وہ ناکام رہ گئے۔ مثلاً یہی جلسہ ہے جس میں کئی پیچھے بیٹھی ہیں کئی آگے۔ لیکن کیا اس طرح ان کو خدا نے بٹھلایا ہے؟ مانا کہ منتظمات کا بھی ایک حد تک اس میں دخل ہو گا مگر پھر بھی پہلے اور پیچھے کا فرق ضرور ہے۔ پہلے آنے والی کو

اچھی اور قریب جگہ مل گئی پیچھے آنے والی کو دُور۔ اس میں تقدیر کا کیا دخل ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ طاعون کے موقع پر لوگوں نے کہا یہاں سے چلے جانا چاہئے حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر آج کل کے مسئلہ کے مطابق اس وقت بھی چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے اختلاف کیا اور اسی تقدیر کو پیش کر کے کہا اَتَفِرُّوْنَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ [7] یعنی کیا تم تقدیر سے بھاگتے ہو؟ مگر اس کا جواب حضرت عمرؓ نے کیا ہی لطیف دیا۔ فرمایا اَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ۔ [8] سوچو! کہ اگر یہ تقدیر ہے کہ ایک کیڑے کے کاٹنے سے آدمی بیمار ہو تو یہ بھی تو تقدیر ہے کہ ڈاکٹر دوائی دے اور وہ اچھا ہو جائے۔ تم ایک تقدیر پر ایمان لاتی ہو دوسری پر نہیں۔

تمہاری مثال اس مراثی کی سی ہے جو نکھٹو تھا۔ بیوی معاش کے لئے مجبور کرتی تھی اور وہ عذر کرتا تھا کہ کوئی کام ہی نہیں ملتا۔ آخر ایک دفعہ فوج میں بھرتی ہوئی بیوی نے کہا کہ تو اس میں ہی شامل ہو جا۔ کہنے لگا شاید تو میری موت کی خواہشمند ہے کیونکہ بھرتی جنگ کے لئے ہے اور جنگ میں موت ہی ہے۔ بیوی نے اس کو سبق دینے کے لئے چکی میں دانے پیسے جن میں کچھ ثابت رہے کچھ پس گئے اور خاوند سے کہا کہ دیکھ سارے ہی دانے چکی میں پِس نہیں جاتے ثابت بھی تو رہتے ہیں۔ پس تُو نے کیونکر کہا کہ جنگ میں سب کی موت ہی ہے۔ وہ کہنے لگا تو مجھے پسے ہوئے دانوں میں شمار کر۔

کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ بچہ ماں کی پُھٹکار سے بیمار ہوا یا ماں کی بددعا سے مرا؟ مگر اللہ تعالیٰ کے متعلق تم نہایت بے باکی اور بے خوفی سے کہہ دیتی ہو کہ یہ ظلم خدا کی تقدیر ہے۔ تم خدا کو مالک خیال کرتی ہو تو ساتھ رحیم بھی خیال کرو ظالم کیوں خیال کرتی ہو۔ خدا کا کیا فائدہ ہے کہ تمہارے بچے کو بیمار کرے تم نے اس کو ننگا رکھا تم نے بے احتیاطی کی تم نے بدپرہیزی کی وہ نمونیا میں مبتلا ہو گیا اب تم خدا پر الزام رکھتی ہو اپنی غفلت نہیں کہتیں۔ تمہارا بچہ جاہل رہا اس لئے کہ تم نے اسے پڑھنے کا شوق نہ دلایا۔ اس کی تادیب نہ کی۔ اس کو آوارگی سے نہ بچایا مگر اپنے اس قصور پر اب تقدیر کا حوالہ دیتی ہو۔ بھلا کب خدا کے فرشتوں نے تمہارے بچے کو جاہل رہنے کی ترغیب دی؟ کب انہوں نے تمہارے بچے کی کتابیں چھین لیں؟ کب اس کے سکول کے راستے کو روکا۔ یہی وہ تقدیر کا مسئلہ ہے کہ جس پر ایمان لا کر ہمارا ملک خدا کے فضلوں سے محروم ہو گیا۔ دیکھو اسی ملک کے انگریز بچے تندرست اور تمہارے بیمار ہیں۔ اس

میں انگریز تعلیم یافتہ اور تم جاہل' انگریز آسودہ حال تم فلاکت زدہ' وہ عالی مرتبہ اور بشاش تم سراپا نکبت اور غمگین۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ تقدیر کی ان سے دوستی اور تم سے دشمنی ہے بلکہ وجہ محض یہ ہے کہ انہوں نے قانون قدرت کے مطابق کام کیا یا یوں کہو کہ دنیا کی مشینری کا صحیح استعمال کیا اور فائدہ اٹھایا مگر تم نے نافرمانی اور خلاف قاعدگی سے نقصان پایا۔ جب بچہ بیمار ہو جاتا ہے تمہاری غفلت کی وجہ سے' تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے' تمہاری جہالت کی وجہ سے' تو تم اس کو تقدیر سے وابستہ کرتی ہو اپنی غلطی کو نہیں مانتیں اور نہ اپنی اصلاح کی کوشش کرتی ہو۔ خود تربیت کا خیال نہیں رکھتیں مگر جب وہ خراب اور اوباش ہو جاتا ہے تو کہتی ہو "جی تقدیر"۔ یاد رکھو یہ تمام باتیں غفلت اور قانون شکنی کی ہیں۔ خدا نے قانون بنائے ہیں ان پر چلنے والے کامیاب ہوں گے خلاف ورزی کرنے والے تباہ۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ اس تقدیر کی آڑ میں خدا پر الزام نہ رکھو۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کا یہی مطلب ہے کہ خدا کا علم یعنی اس کی صفات سے واقفیت۔ تم خدا کی فرستادہ جماعت کا حصہ ہو۔ تم کو اس کی ذات کا علم ہونا ضروری ہے۔ تم تقدیر کو چھوڑو تقدیر خدا کے ساتھ اچھے موقعوں پر منسوب کرو۔ جانو کہ وہ قادر ہے وہ رحیم ہے' وہ کریم ہے' وہ رحمٰن ہے' وہ عُقدہ کُشا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مسئلہ تقدیر کو کیسی لطیف شان دی ہے۔ فرماتے ہیں بیمار میں پڑتا ہوں شفاء خدا دیتا ہے۔ جاہل میں رہتا ہوں علم خدا دیتا ہے۔ غفلت مَیں کرتا ہوں ہوش میں وہ لاتا ہے۔ پس تم بھی ظالمانہ باتیں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو۔ اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کو دور کرو۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین کو صحیح طریق سے عمل میں لاؤ تا یہ اِدبار تم سے دور ہو۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ آئندہ ہماری جماعت میں یہ مسئلہ نہ اُٹھے۔

دوسرا مسئلہ دعا کا ہے

یہ ایسا ہتھیار ہے کہ جہاں پڑے کاٹ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! ہمارے بندوں سے کہدے کہ میرا رب تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے اگر تم دعا سے اس کے ساتھ تعلق نہ رکھو۔[۹] مگر افسوس ہمارے ملک میں دعا کی ایسی بے قدری ہوئی ہے کہ ٹوٹی جوتی کی بھی نہ ہوتی ہو۔ حالانکہ اسلام نے مسلمانوں کو یہ ایک ایسا ہتھیار دیا ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کرتے کم تھا۔ دعا خالق اور مخلوق کے مابین راستے کی سیڑھی ہے۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ ایک کھائی کھُدی ہوئی

ہے اور بھیڑیں لیٹی ہوئی ہیں گویا ذبح کرنی ہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے منتظر تھے کہ ان کو ذبح کریں۔ اس وقت کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوا کہ بھیڑیں گناہگار انسان ہیں۔ پھر آواز آئی کہ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ۔[۱۰] خدا سے دعا کرو کہ تمہاری سختیاں معاف ہوں گویا سخت سے سخت مشکلات کا حل دعا سے ہو سکتا ہے۔ اگر دعا نہ ہوتی تو انسانی زندگی بالکل بے کیف رہتی۔

حضرت مسیح ناصری نے کیا لطیف فرمایا کہ "انسان روٹی سے نہیں خدا کے کلام سے زندہ رہتا ہے۔"[۱۱] پس خدا کا علم اور اس کے بعد دعا انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اس کے بغیر تمہاری زندگیاں بیکار، تمہارے کام بے ثمر ہیں' یہ مت خیال کرو دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ خدا کو نہیں مانتے اور وہ پھر بھی بڑے خوش نصیب ہیں۔ یہ صحیح ہے مگر بادشاہت کوئی کامیابی نہیں۔ اگر کوئی اس پر گھمنڈ کرتا ہے تو اس کی بیوقوفی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جس طرح ایک کسمپرس چُوڑا جان کَندنی یا تکلیفِ جسمانی کے وقت درد و کرب سے کراہتا ہے اسی طرح ایک طاقت ور مگر خدا کو نہ ماننے والا بادشاہ بھی۔

نبیوں کی زندگی دیکھو کہ جن کو زمانہ کے شدّ و مدّ کی کچھ پروا نہیں، دکھوں کا غم نہیں۔ مصائب میں سینہ سپر بھی ہیں بے فکر بھی۔ غرض ان کا دل اس طرح مطمئن ہے کہ تمام جہان کی بادشاہت حاصل کر کے ایک دنیاوی بادشاہ کو بھی نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ دنیاوی بادشاہ کا بھروسہ اسبابِ مادی پر ہوتا ہے مگر خدا کے فرستادہ کا چونکہ خدا کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے پس وہ اپنے اس حامی کی حمایت میں ہر طرح بے فکر رہتا ہے۔ گو اس کے پاس مادی اسباب کی قلت ہو بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ مگر اس کی مسرت اور اس کے اطمینان کو کوئی نہیں پا سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس کونسی سلطنت یا طاقت تھی مگر آپ مصائب اور شدائدِ زمانہ سے بے فکر تھے۔ زار روس جو ایک نہایت بلند بادشاہ تھا اس کے متعلق آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ وہ نہایت بے کسی کی حالت میں تباہ ہو گا۔ پھر اسی طرح ہوا۔ اب شہنشاہ زار کی پہلی قوت دیکھو پھر اس پیشگوئی کے بعد اس کے بعد بے کسی۔ پس معلوم ہوا کہ دنیا کے بادشاہوں کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ بالکل مُردہ بدست زندہ کی مثال ہیں مگر خدا کے پیارے ہر طرح با اقتدار۔

ایک ولی بزرگ کا واقعہ ہے جو دہلی میں رہتے تھے بادشاہِ وقت ان سے ناراض ہو گیا۔

کہیں دہلی سے باہر گیا ہوا تھا۔ دشمن نے کوئی چُغلی لگائی اور بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ دہلی پہنچتے ہی اس بزرگ کو سزائے موت دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ بادشاہ کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے کہیں چلے جائیں یا معافی مانگیں۔ مگر آپ خاموش رہے یہاں تک کہ بادشاہ دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ خبریں آتی تھیں کہ بادشاہ ان بزرگ پر غضب ناک ہو رہا ہے اور آتے ہی عبرت ناک سزا دے گا۔ خیر خواہوں نے پھر وہی مشورہ دیا مگر آپ نے کہا " آنے دو ہوا کیا آخر باشادہ ہے خدا تو نہیں " یہاں تک کہ سنا گیا کہ کل صبح بادشاہ کی سواری کشمیر میں داخل ہو گی۔ بادشاہ اب دہلی کے بہت نزدیک ہے مگر ان بزرگ نے بڑے اطمینان سے فرمایا " ہنوز دلّی دور است۔" سننے والے حیران تھے کہ بادشاہ چند لمحوں میں آیا چاہتا ہے یہ دلّی دور بتاتے ہیں مگر اسی رات کو بادشاہ قولنج سے مرگیا اور اسے دلّی میں داخل ہونا نصیب ہی نہ ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق واقعہ ہے کہ دنیوی حالت نہایت غربت میں تھی۔ ہاں ظاہری حالت بے بسی کی سی۔ مگر باوجود اس ظاہری بے سرو سامانی کے ایران کے بادشاہ کے پاس آپ کی نبوت اور ترقی کی رپورٹیں برابر پہنچتی تھیں اور وہ آپ سے باوجود بادشاہ ہونے کے خائف تھا آخر اس نے عرب کے گورنر کو آپ کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔ آدمی شاہی حکم لے کر آپ کے پاس آئے اور صاف صاف عرض کر دیا اور کہا کہ نافرمانی نہ کیجئے بے چون و چرا ہمارے ہاتھ اپنے آپ کو دے دیجئے۔ بادشاہ بہت بڑا ہے اس کے حکم کی تعمیل میں ایران چلئے اسی میں آپ کا بھلا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے دن آپ نے ان سے فرمایا۔ سنو! آج رات میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار دیا۔ جاؤ واپس۔ انہوں نے واپس جا کر من وعن گورنر کو کہہ دیا۔ گورنر حیران ہو گیا۔ وہ ایران کی ڈاک کا منتظر رہا یہاں تک کہ وہی اطلاع اس کو پہنچی کہ خود اس کے بیٹے نے اس کو قتل کر دیا اور اُسی رات جس رات آپؐ نے فرمایا تھا۔ خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارا باپ بڑا ظالم تھا ہم نے اس کو مار دیا۔ اب ہم خود بادشاہ ہیں۔ ہمارے باپ نے از راہِ ظلم عرب کے ایک شخص کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اب چونکہ وہ مار دیا گیا ہم اس کے حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔ [۲]

تو اب دیکھو بادشاہت دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ اصل مقصود تو یہ ہے کہ خطروں سے محفوظ ہو جائیں اور خطروں سے وہی محفوظ ہو سکتے ہیں جو خدا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ خدا کی صفات پر ایمان لاتے اور دعاؤں سے اس کی مدد کو پاتے ہیں۔ ہاں تو یاد رکھو کہ خدا سنتا ہے مگر

قاعدے سے قانون قدرت کے مطابق۔ کیا دیوار پر آٹا دے مارنے سے روٹی پک سکتی ہے؟ بلکہ روٹی اسی قاعدے سے پکے گی جو قواعد اس کے لئے بنائے گئے ہیں۔ پس دعا بھی اسی قاعدے سے قبول ہوگی جو اس کے لئے مقرر ہے۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھنے کو توفیق دے۔ آمین

(مصباح ۱۵۔ جنوری ۱۹۳۱ء)

---

۱ البقرۃ:۳۱ ۲ الروم:۴۲ ۳ التحریم:۷

۴ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ تا ۳۸۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۵ الاعراف:۱۵۷ ۶ البقرۃ:۳۲

۷ مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ میں تَفِرُّوْنَ کی بجائے "اَفِرَارًا" کے الفاظ ہیں۔

۸ مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ میں "اَفِرُّ" کی بجائے "نَفِرُّ" ہے۔

۹ الفرقان:۷۸

۱۰ ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶ (جدید ایڈیشن)

۱۱ متی باب ۴ آیت ۴ (مفہوماً)

۱۲ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۷۱ تا ۱۵۷۵ مطبوعہ ۱۸۸۱ء